جوش کی نرگسیت اور خود پسندی، نفسیات کے آئینے میں

ڈاکٹر محمد عباس، معلم شعبۂ اُردو، اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور

Abstract

Josh Maleeh Abadi has touched upon diverse issues in his poetry. His poetry encompasses Philosophical, Progressive, Revolutionary, Romantic and other dimensions. His poetry has been interpreted from diverse angles to comprehend its essence. Similarly much has been written on his narcissism and vanity. But in the light of psychological theories no serious attempt has been made to trace different psychological abnormalities and vanity. This paper aims at looking at his poetry within the same perspective.

نرگسیت ماہرینِ نفسیات کی وضع کردہ اصطلاح ہے جو کہ بعض دوسری نفسیاتی اصطلاحات کی طرح یونانی اساطیر سے ماخوذ ہے۔ نرگس (Narcissus) ایک بے حد خوبصورت نوجوان تھا جس کے حسن کا یہ عالم تھا کہ اُس کے اردگرد کی دیگر خوبصورتیاں اسکے سامنے بے معنی تھیں۔ ایک دن ایک تالاب میں اپنی صورت دیکھ کر خود ہی اپنے آپ کو دل دے بیٹھا۔

دیو مالائی کہانی کسی کی ملکیت یا مستند تاریخ نہیں ہوتی اس لیے ''جتنے منہ اتنی باتیں'' کے مصداق اس کی کئی ترمیم شدہ شکلیں ملتی ہیں۔ یہی حال اس کہانی کا بھی ہے کہ مختلف کتب میں اسکی مختلف صورتیں ملتی ہیں لیکن بنیادی کردار اور اپنی ذات سے عشق کی قدر ہر کہانی میں مشترک ہے۔ مختصراً نرگسیت اپنی ذات سے محبت کا نام ہے۔

> ''فرائڈ نے یہ الجھاؤ بھی تحلیل نفسی کے دوران ہی دریافت کیا اور اسکے خیال میں یہ الجھاؤ فرد میں کسی ذہنی اور اعصابی امراض کا سبب ہوسکتا ہے''۔[۱]

فرائڈ نے اسے ابتدائی اور ثانوی حصوں میں بھی تقسیم کر رکھا ہے۔ ابتدائی نرگسیت کا تعلق انسان کے بچپن سے ہوتا ہے۔ جب بچہ ہر قسم کے فکر اور پریشانیوں سے آزاد ہر طرف سے محبتیں پاتا رہتا ہے جبکہ ثانوی نرگسیت بلوغت کے بعد جنم لیتی ہے جب خود پسندی کا ادراک مزید بڑھ جاتا ہے۔ خود پسندی، طلبِ جاہ، دوسروں سے کنارہ کشی، خود داری، تصوریت (Idealism)، تخلیقی خواہشات اور شدید فکرِ صحت وغیرہ اسی کی مختلف شکلیں ہیں۔ ابتدائی نرگسیت کی بہترین مثالیں نظیر اکبر آبادی کی دو نظمیں بہ عنوان ''طفلی'' اور علامہ اقبال کی نظم ''عہد طفلی'' ہیں۔

گل کی طرح سے ہر دم سینے پہ پھولتے تھے
پی پی کے دودھ ماں کا خوش ہو کے پھولتے تھے
ماں باپ ان کی خدمت سر پر قبولتے تھے
ہاتھوں میں کھیلتے تھے جھولوں میں جھولتے تھے[۲]

تکتے رہنا ہائے وہ پہروں تلک سوئے قمر
وہ پھٹے بادل میں بے آوازِ پا اس کا سفر
پوچھنا رہ رہ کے اس کے کوہ و صحرا کی خبر
اور وہ حیرت دروغِ مصلحت آمیز پر[۳]

نرگسیت کی جہاں اور بہت ساری وجوہات ہیں وہاں خاندانی عظمت ، سماج کی قدردانی ، دولت کی کثرت ،اورکسی میدان میں غیر معمولی مہارت بھی اس کی اہم وجوہات میں سے ہیں۔جس طرح کسی بھی زبان کے شاعر یا ادیب کےفن کا مقام متعین کرنے کیلئے اور اسے سمجھنے کے لیے اسکی نجی زندگی سے واقفیت اور سماجی حالات سے آگاہی ضروری ہوتی ہے اسی طرح اسکی شاعری کا نفسیاتی لحاظ سے تحقیقی تجزیہ کرنے کے لیے بھی انہی عوامل کو مدِ نظر رکھنا پڑتا ہے۔اَودھ کے ایک جاگیردار گھرانے میں جنم لینے والے شبیر حسن خان جوشؔ کی تاریخ پیدائش کے حوالے سے اختلاف پایا جاتا ہے۔لیکن ''یادوں کی برات'' میں اپنی پیدائش کا ذکر جوشؔ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''میرے خاندان میں بچوں کی تاریخی ولادت کے درج کرنے کا رواج ہی نہیں تھا البتہ میری دادی جان نے، جو خاندان کی مورّخ تھیں، مجھ سے، میری ولادت کا جو سن بتایا تھا، وہ سنِ عیسوی کے حساب سے ۱۸۹۶ء یا ۱۸۹۸ء، یہ بھی یاد نہیں رہا۔بہر حال، اپنی عمر کو دو برس بڑھا دینے میں نقصان ہی کیا ہے۔اس لیے آپ یہ سمجھ لیں کہ میں ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوا تھا۔''[۴]

شخصیت کی تعمیر میں زمانے اور ماحول کے ساتھ ساتھ خاندانی خصوصیات بھی اہمیت رکھتی ہیں۔لکھنو کے قریب واقع ،ملیح آباد میں ایک پٹھان خاندان میں جنم لینے والے جوشؔ تلوار اور قلم سے برابر کی دوستی کا ذکر کئی بار بڑے فخریہ انداز میں کر چکے ہیں۔ جوشؔ کے پردادا فقیر محمد گویاؔ ایک نواب اور علم دوست شخصیت کے طور پر جانے جاتے تھے۔بقول ظفر محمود:

> ''وہ لکھنو کے مشہور شاعر شیخ امام بخش ناسخؔ کے شاگرد تھے-----ان کا شعری مجموعہ 'دیوانِ گویا' کے نام سے مشہور ہے''۔[۵]

آپ کے دادا نواب احمد خاں احمدؔ کا کلام ''مخزنِ آلام'' اور والد صاحب نواب بشیر احمد خاں بشیرؔ کا کلام ''کلامِ بشیر'' کے نام سے مشہور ہے۔جوشؔ کے دادا، پردادا اور والد سب کے سب رئیس اور نواب تھے۔جوشؔ نے اپنی

کئی نظموں خاص طور پر ''میرے اجزائے فکر'' میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

جوشؔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد باقاعدہ تسلسل کے ساتھ مزید پڑھ نہ سکے کیونکہ اس زمانے میں ایک عام خیال یہ بھی تھا کہ رسمی تعلیم درمیانی طبقے کے لیے ہوتی ہے نوابین و رؤسا کے لیے نہیں۔ اسی خیال نے انہیں مختلف سکولوں اور علی گڑھ جیسے ادارے سے بھی مسلسل فیض حاصل کرنے نہیں دیا۔ لیکن اس کا افسوس انہیں زندگی بھر رہا۔

جوشؔ اگرچہ ایک ایسے شاعر ہیں جنھوں نے کسی ایک فلسفے کو پیش نہیں کیا بلکہ مختلف النوع موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے۔ انکے ہاں فلسفیانہ، ترقی پسندانہ، رومانوی، انقلابی اور دیگر کئی رنگوں کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ لیکن جہاں تک انکی نرگسیت اور خود پسندی کا تعلق ہے اس میں تفاخر کا پہلو ہر جگہ واضح اور نمایاں ہے۔ بعض اوقات انکی نرگسیت کی جڑیں خوش فہمی اور بچپنے سے ملتی نظر آتی ہیں۔ مثلاً:

؎ اتنا مانوس ہوں فطرت سے کلی جب چٹکی
جھک کے میں نے یہ کہا مجھ سے کچھ ارشاد کیا

بقول حزب اللہ:

''اگر بچہ بہت عرصے تک ایسے ماحول میں رکھا گیا جہاں کہ اس کے بچپن کی قدرتِ کاملہ کا احساس اسے ہوتا رہا۔ اسکی منہ مانگی مراد اسے ملی۔ اس کی ہر خواہش فوراً پوری کر دی گئی اور اسکی 'کُن' سے سب کچھ پیدا ہونے لگا تو ظاہر ہے کہ وہ آخر تک بچہ ہی رہے گا''۶

ان کے ہاں خودداری اور خود پسندی دونوں صورتیں موجود ہیں لیکن پھر بھی خود پسندی کی صورت زیادہ نمایاں ہے جسکی بنیادی وجہ ان کا خاندانی وقار اور اس کا شدید احساس ہے۔ جوشؔ اپنی نظم ''الوداع'' میں ملازمت کے لیے دکن جاتے ہوئے ملیح آباد کے چھٹنے کا ماتم ہی نہیں کرتے بلکہ اس ملازمت کو خاندانی وقار کے منافی دیکھ کر تڑپ بھی اٹھتے ہیں۔

؎ چھوٹ رہا ہے ہاتھ سے دامن ملیح آباد کا
رنگ فق ہے عزتِ دیرینۂ اجداد کا
موجِ کوثر وقف ہو اور تشنہ کامی کے لیے
خواجگی رختِ سفر باندھے غلامی کے لیے

جوشؔ کے ہاں غزلوں کی تعداد بہت کم ہے لیکن ان میں بھی حسن سے بڑھ کر عشق کا تذکرہ ملتا ہے جس کے ڈانڈے ان کے عہدِ شباب وشوق کی کہانیوں سے ملتے ہیں۔ وہ اپنی غزل گوئی کے اس رنگ پر بھی نازاں ہیں۔

؎ آج اے جوشؔ تیرے رنگِ غزل گوئی سے
قندِ پارس کا مزا ہے بہ زبانِ اُردو

جوشؔ سمجھتے ہیں کہ ان کی غزلیں فارسی غزلوں سے کسی صورت بھی کم نہیں بلکہ اُردو زبان پر ان کا احسان ہے

کہ اسے قندِ پارس سے آشنائی کا گُر سکھا دیا۔خود پسندی اور عظمتِ ذات کی یہ جھلک صرف ان کی غزلوں تک محدود نہیں بلکہ نظموں اور رباعیات تک یہ سلسلہ دراز ہے۔نظم کے بعد سب سے زیادہ توجہ انہوں نے رباعی پر دی۔ رباعیوں میں جوشؔ اگر چہ انسانی عظمت کے قائل نظر آتے ہیں لیکن یہ عظمت ان کی اپنی ذات ہی کی طرف اشارہ ہوتی ہے۔انہیں ہر عظیم انسان کے روپ میں اپنا آپ ہی دکھائی دیتا ہے:

؎ دُنیا میں ہیں بے شمار آنے والے
آتے رہیں گے روز جانے والے
عرفانِ حیات ہو مبارک تجھ کو
اے شدتِ غم پہ مسکرانے والے

اس رباعی میں ''شدتِ غم پہ مسکرانے والا'' کوئی اور نہیں جوشؔ ہی ہے جس نے عرفانِ ذات کی مبارک دی بھی ہے اور لی بھی ہے۔بقول ڈاکٹر سلام سندیلوی:

''نرگسی انسان غم کو بھلانے کے لیے ضبط (Suppression) کا حربہ بھی استعمال کرتا ہے'' ۷

یہی وہ حربہ ہے جس کا اندازہ مذکورہ بالا رباعی سے کیا جاسکتا ہے۔ایک مرتبہ جوشؔ سے کسی نے پوچھا کہ وہ محفلِ مشاعرہ میں کیا محسوس کرتے ہیں؟ تو جواب دیا:

''ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے جانوروں کے درمیان کلام سنا رہا ہوں'' ۸

ایک اور جگہ جوشؔ فرماتے ہیں:

''یہ درست ہے کہ میں گرجتی ہوئی شہرت کا مالک ہوں، ہندوستان پاکستان کی محراب میرے نام سے گونجی ہوئی ہے'' ۹

اسی احساس میں لپٹی ایک رباعی ملاحظہ ہو:

؎ ایک فتنہ ہے ناقصوں میں کامل ہونا
ایک قہر ہے وابستۂ منزل ہونا
تاریخ کے اوراق جو پلٹے تو کھلا
ایک جرم ہے احمقوں میں عاقل ہونا

یہاں بھی ناقصوں میں ''کامل'' اور احمقوں میں ''عاقل'' جوشؔ ہی ہیں جس کا دعوٰی وہ کئی بار کر چکے ہیں۔ جوشؔ کا ذخیرۂ الفاظ اور تراکیب سازی کا رجحان بھی انکی خود پسندی اور نرگسیت کی غمازی کرتا ہے۔ان کا ہر لفظ اور ترکیب کی انفرادیت نہ صرف اُردو زبان وادب کے ذخیرے میں اضافے کا باعث ہے بلکہ یہ نفسیاتی لحاظ سے انکی اپنی ذات کی تکمیل اور بڑائی کا ثبوت بھی ہے۔

نرگسی انسان جن حربوں کا استعمال کرتا ہے یا بہ الفاظِ دیگر جن صورتوں میں اسکی نرگسیت سامنے آتی ہے ان میں سے ایک صورت واہمہ (Fantasy) بھی ہے۔بقول سلام سندیلویؔ:

''وہ تصورات کی دنیا آباد کرتا ہے اور خود کو اس دُنیا کا مالک تصور کرتا ہے'' ۱۰؎

یہی Fantasy ہے جو جوشؔ کو انسان تو کیا فطرت کے مناظر سے بھی ہم کلامی کا شرف بخشتی نظر آتی ہے۔ انہیں یہاں بھی اپنی عظمت کا احساس ہے۔

؎ چھوڑ کر انساں کو میں فطرت کا شیدا ہو گیا
خوبیٔ قسمت کہ فوراً ربط پیدا ہو گیا
میرا ہمدم سبزہ زار و کوہ و صحرا ہو گیا
دوست میرا چشمہ و گلزار و دریا ہو گیا

دین کے معاملے میں بھی ان کی دوسروں پر فوقیت اور عرفانِ الٰہی کا دعوٰی ان کی نرگسیت کا پرتَو لیے ہوئے ہے۔

؎ ہم ایسے اہلِ نظر کو ثبوتِ حق کے لیے
اگر رسول نہ آتے تو صبح کافی تھی

نرگسی انسان غم و آلام سے بچنے کے لیے اپنے ماضی میں بھی پناہ لیتا ہے۔ چونکہ اس کا ماضی بچپن اور اسکی حسین یادوں کا مجموعہ ہوتا ہے یا بہ صورتِ دیگر گزرے ہوئے لمحے ویسی بھی اپنا درد کھو چکے ہوتے ہیں یا ان کا اثر تقریباً مٹ چکا ہوتا ہے۔ اس لیے ماضی کی طرف مراجعت (Regression) اندوہ و ملال سے بچنے کا ایک آسان اور محفوظ راستہ ہوتا ہے۔ جہاں وہ اپنے ماضی پر نازاں اور سکونِ قلب کا متلاشی بن کر اس کے حصار میں قید ہونے کی کوشش کرتا ہے۔

جوشؔ کے ہاں نرگسیت کی ماضی پرستی کا یہ عنصر نسبتاً بہت زیادہ ہے۔ ان کی ایک نظم ''پرانی تصویر'' کا یہ شعر تو بچپن سے متعلق ان کی بے چینی اور یادنگاری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

؎ زندگی میں پھر نہ اس موسم کو پائیں گے کبھی
ہائے وہ بیتے ہوئے دن اب نہ آئیں گے کبھی

ماضی پرستی کا یہ عکس اگرچہ ان کے اکثر مجموعوں میں ملتا ہے لیکن ''نقش و نگار'' میں اس کی گونج اور بھی بڑھ کر سنائی دیتی ہے۔ ان کی نظم ''نظارۂ ماضی'' کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

؎ کیا حال سے جوشؔ دل ہو راضی
پھرتا ہے نظر میں دورِ ماضی

اسی طرح کا تاثر ایک نظم ''قدیم سیرگاہ کو دیکھ کر'' میں بھی ملتا ہے۔

؎ آ نکلے ہو تو دم بھر ٹھہرو ذرا عزیزو
ہم اس زمیں میں کیا کیا فتنے جگا چکے ہیں
دیکھو یہ سائباں ہے جس سائباں کے نیچے
کیا کیا جوانیوں کی عیدیں منا چکے ہیں

ہاں جوشؔ یہ مناظر قائم رہیں ابد تک
اس رنگ و بو میں کیا کیا معشوق آ چکے ہیں

جوشؔ ماضی پرستی کے معاملے میں اس حدتک جذباتی ہیں کہ ناممکن کو بھی ممکن بنانے کی کوشش میں لگے ہیں۔وہ مناظر جو ان کی آنکھوں نے دیکھے دوسروں کو بھی دکھانے بلکہ زبردستی اور ثبوت کے ساتھ دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔کسی قدیم سیر گاہ میں دوستوں کے ساتھ جاکر انہیں ٹھہرنے کا کہنا اور پھر ایک ایک چیز کی طرف اشارہ کرکے ان سے جڑی یادوں پر سے پردہ ہٹانا اور بالآخر ان مناظر کی تا قیامت سلامتی کی دُعا مانگ کر وہاں سے رخصت ہونا اسکی نرگسیت کی ماضی پرستی کا وہ پہلو ہے جس سے جان چھڑانا جوشؔ کے بس کی بات نہیں۔اسی کتاب کی ایک نظم ''جوانی کے ساز وبرگ'' کے آخری تین اشعار تو جوشؔ کی ماضی پرستی اور بے بسی میں ایسے رچے بسے ہیں جسکا اندازہ کوئی بھی اہلِ ذوق بڑی آسانی سے لگا سکتا ہے۔

؎ لطف کے دو ایک دن، تفریح کی ایک آدھ رات
اے جوانی! تھی تری لے دے کے اتنی کائنات
پھر بھی وہ تیرا سبک پرواز عہدِ مختصر
خندہ زن ہے آج تک عمرِ مسیح و خضر پر
وقت کی خونریزیوں پر، بڑھ کے پانی پھیر دے
ان دنوں کی ایک ہی شب، اے جوانی پھیر دے[۱۱]

یہ نظم اگرچہ ۱۹۲۹ء میں لکھی گئی ہے جبکہ جوشؔ کی عمر ابھی بمشکل چونتیس یا پینتیس سال ہوگی۔اگرچہ یہ عمر جوانی ہی کا حصہ ہوتی ہے لیکن ان کا اشارہ غالباً نوجوانی کی ان سرمستیوں کی طرف ہے جسے دیوانگی اور Teen age کہا جاتا ہے۔اسی طرح ''یار پری چہرہ'' کی تمام تر لفظی ومعنوی رنگینیوں اور تراکیب کی نزاکت کے باوجود اس کا پہلا اور آخری شعر اسے ماضی پرستی اور یادنگاری کا وہ مرقع بنا دیتا ہے جس کا ملکہ صرف جوشؔ کو حاصل ہے۔

پہلا شعر

؎ وہ یار پری چہرہ کہ کل شب کو سِدھارا
طوفاں تھا، تلاطم تھا، چھلاوا تھا، شرارا

آخری شعر

؎ اللہ کرے وہ صنمِ دشمنِ ایماں
مچلے کسی شب جوشؔ کے پہلو میں دوبارا

نرگسیت کی مسخ شدہ صورت یا منفی پہلو بھی بعض اوقات سامنے آکر شخصیت کے راز کھول دیتا ہے۔ایسی صورت میں شخصیت ظلم پسندی (Sadism) یا مظلومیت پسندی (Masochism) سے گزر کر دُنیا سے الگ تھلگ ہوکر اپنے آپ کو مٹا دینے کے منصوبوں پر غور کرنے لگتا ہے۔ایسا ماحول سے شکست کھانے اور مایوسیوں کے بڑھ جانے

کے بعد ہی ہوتا ہے:

''نرگسی شخص میں خودستائش کے عناصر اس حد تک ہوتے ہیں کہ وہ اپنی ذات کو کسی بھی حالت میں شکست خوردہ نہیں دیکھ سکتا اور اگر اس کو ایسی صورت کا سامنا کرنا ہی پڑے اور اس کو شکست ہوتو وہ بالکل ٹوٹ جاتا ہے اور بکھر جاتا ہے۔''[۱۲]

جوش کے ہاں اس کی جھلک ''نقش و نگار'' کی ایک نظم ''التجائے مرگ'' میں نظر آتی ہے جو کہ نرگسیت کی شدید ترین اور منفی صورت کی عکاس ہے۔اسی نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کر قطع نخلِ عمر، گلستاں کا واسطہ
یاربّ، بہارِ عالمِ امکاں کا واسطہ
اب نشۂ حیات سے دے جوش کو فراغ
تجکو خمارِ نرگسِ جاناں کا واسطہ
اب آفتاب عمر کو دے رُخصتِ غروب
تجکو طلوعِ صبحِ بہاراں کا واسطہ
اب طولِ زندگی سے مجھے کر نہ شرمسار
بالید گیٔ زلفِ پریشاں کا واسطہ
ساقی پلا اجل کی اُبلتی ہوئی شراب
عمرِ مسیح و چشمۂ حیواں کا واسطہ
آنسوں مری حیات کا ٹپکا دے خاک پر
یاربّ نزولِ قطرۂ نیساں کا واسطہ
دے روزِ تلخ زیست کو اب حکمِ اختصار
تجکو درازیٔ شبِ ہجراں کا واسطہ
جھلکا مری جبیں پہ عرق کربِ نزع کا
رنگیں رُخوں کی تابشِ افشاں کا واسطہ [۱۳]

اگرچہ یہ نظم بھی ۱۹۲۹ء ہی میں لکھی گئی جبکہ جوشؔ ابھی جوان تھے لیکن اس نظم کے حاشیے پر موجود یہ الفاظ کہ:

''کسی کی نصیبِ دشمناں، خطرناک ناسازیٔ مزاج کے موقع پر یہ نظم کہی گئی تھی''[۱۴]

اس بات کا ثبوت ہیں کہ ناکامی اور غم کی شدت نے انہیں نرگسیت کے اس منفی دھارے میں کھینچ لیا تھا جہاں زندگی سے جی اُچاٹ ہوکر مایوسی کے گھپ اندھیروں میں ڈوب جاتا ہے۔بعض اوقات یہ تلخی اس قدر شدید ہوتی ہے کہ اس کا اثر ظلم پسندی (Sadism) کی شکل میں سامنے آتا ہے۔جوشؔ ''روحِ ادب'' کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

''شاعری سے جب فرصت پاتا تھا تو یہ میرا محبوب ترین مشغلہ تھا کہ ایک اونچی سی میز پر بیٹھ کر اپنے ہم عمر بچوں کو جو جی میں آتا تھا، اناپ شناپ درس دیا کرتا تھا۔ درس دیتے وقت میری میز پر ایک پتلا سا بید رکھا رہتا تھا۔ اب جو بچہ توجہ کے ساتھ میرا درس نہیں سنتا تھا اسے میں بید سے اس بری طرح مارتا تھا کہ بیچارہ چیخیں مار مار کر رونے لگتا تھا۔۔۔۔۔۔۔ میرے مزاج کی یہ وہی بنیادی سختی ہے جو میری سیاسی خطیبانہ شاعری میں تلخ و ترش بن کر آج بھی نمو دار ہوتی رہتی ہے اور میری شاعری کا نقاد میرے لہجے کی درشتی پر چیخ اٹھتا ہے''۔[۱۵]

جوش کا یہ اقبالی بیان اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ ان میں سادیّت (Sadism) کے اثرات بچپن ہی سے تھے۔ فرائڈ اس کا تعلق بھی جنسی بے راہ روی سے جوڑتا ہے۔

''سادیّتی اذیت ذہنی بھی ہو سکتی ہے اور جسمانی بھی۔ اگر چہ جسمانی اذیت کا عام طور پر گہرا تعلق جنسی بے راہ روی سے ہوتا ہے۔ ذہنی اذیت عام طور پر مذاق اڑا کر، نعرہ لگا کر اور دوسرے کے سامنے کسی فرد کو ذلیل کر کے حاصل کی جاتی ہے، مگر جسمانی اذیت کے بہت سے طریقے ہیں، مثلاً چابک مارنا، دانتوں سے کاٹنا، چٹکی لینا، سوئی چبھونا، گلا دبانا وغیرہ''۔[۱۶]

سادیّت جنسی قوت میں خرابی کے ساتھ ساتھ کسی جذباتی بحران کا بھی نتیجہ ہو سکتی ہے جو غلط انداز اختیار کر کے ظلم پسندی کے روپ میں نمودار ہوتی ہے۔ بعض اوقات جنسی قوت میں خرابی کا علاج کر کے یا اس پر قابو پا کر اسے ارتقاعی شکل میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں ظلم پسندی تو کسی حد تک ختم ہو جاتی ہے لیکن اس کی ایک نئی اور بدلی ہوئی شکل باقی رہتی ہے۔ جوش کے ہاں بھی ظلم پسندی کا یہ انداز تو مٹ گیا ہے لیکن طعن و تشنیع اور گالم گلوچ کی حد تک جانے کا انداز باقی ہے مثلاً:

ے　اے سیہ رو، بے حیا، وحشی، کمینے، بدگماں
اے جبینِ ارض کے داغ اے دَنی ہندوستاں
تجھ پہ لعنت اے فرنگی کے غلامِ بے شعور
یہ فضائے صلح پرور یہ قتال کانپور
تجھ کو عورت نے جنا ہے جھوٹ ہے یہ اے لعیں
آدمی کی نسل سے اور تو نہیں ہرگز نہیں

جوش کی خود پسندی بعض اوقات تکبر کی حدوں سے بھی آگے بڑھ جاتی ہے۔ ایسے موقعوں پر وہ اکثر خود کو انتہائی اونچے مقام پر فائز کر کے فرشتوں سے بھی چھیڑ چھاڑ کرنے لگتے ہیں۔ کبھی حوروں کو خود اپنی خدمت میں حاضر پاتے ہیں تو کبھی فلک والوں کے لیے پیغام بھیجنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ شاعرانہ تعلّی اور خود فریبی کا یہ رنگ نرگسیت ہی کی کہکشاں کا ہے۔ جوش کی خود پسندی اور خود بینی کا یہ حال ہے کہ انہیں اپنے اردگرد اپنی ذات کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ نفسیاتی لحاظ سے دیکھ لیا جائے تو جوش کا یہ انداز خبطِ عظمت (Megalomania) اور (Jehova Complex)

نظر آتا ہے جہاں انسان خود کو (نعوذ باللہ) خدا کے ہم پلہ تصور کرنے لگتا ہے:

ے یہ رات گئے عین طرب کے ہنگام
پرتَو یہ پڑا پشت سے کس کا سرِ جام؟
''یہ کون ہے''؟ جبریل ہوں، ''کیوں آئے ہو''؟
''سرکار! فلک کے نام کوئی پیغام'' ۱۷

اس رباعی کا مضمون، جبریلؑ کی زبان مبارک سے اپنے لیے ''سرکار'' کا لفظ استعمال کرنا، اور پھر اہل فلک کے نام کوئی پیغام بھیجنے کا انتظار، یہ ساری کڑیاں اسی خبطِ عظمت سے جا کر مل رہی ہیں جہاں یہ نرگسیت سے بڑھ کر ایک جنونی عارضہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے کیونکہ:

'' خبطِ عظمت بھی نرگسیت کی مخصوص پیداوار ہے۔'' ۱۸

اپنے علاوہ کچھ نہ دکھائی دینے کا ایک انداز ''سنبل وسلاسل'' کی ایک نظم ''خود بینی'' میں بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

ے ریل کے تابندہ درجے میں پئے لطفِ سحر
رات کو کھڑکی کے شیشے پر جمائی جب نظر
دیکھتا کیا ہوں، زمیں گردوں، فضا کچھ بھی نہیں
اپنے درجے اپنے چہرے کے سوا کچھ بھی نہیں
دیکھ کر یہ رنگ روشن ہوگئی تاریک رات
کُھل گئی مجھ پر یکایک ذوق خود بینی کی بات
اس کے آگے بھی زمیں گردوں فضا کچھ بھی نہیں
اپنی ہستی اپنی مستی کے سوا کچھ بھی نہیں ۱۹

جوشؔ کے ہاں خود پسندی اکثر اوقات ایک جذباتی اور ہیجانی کیفیت کا روپ دھار لیتی ہے۔اس نرگسیت اور خود پسندی کے تحت وہ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ اس وقت تک دم نہیں لیتے جب تک اپنے جذبوں کا بھرپور اظہار نہ کر دیں۔ جوشؔ کی نرگسیت اور خود پسندی کی جڑیں اگر تلاش کی جائیں تو جہاں خاندانی وجاہت اور تفاخر کا اس میں ہاتھ ہے تو وہاں معاشرے کی طرف سے ان کی شاعرانہ عظمت کے اعتراف سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انہی عوامل نے ان کی خود پسندی کو تعلّی کے حدود سے نکلنے کا راستہ دیا اور نتیجۃً جوشؔ اس مقام پر جا پہنچے جہاں انہوں نے اپنے لیے نہ صرف مخالفین پیدا کر لیے بلکہ وہ دنیا سے بھی ایک حد تک کنارہ کش ہو کر اپنے ماضی میں گم ہو گئے۔ ''یادوں کی برات'' کا نام اور اس سوانح عمری کی تحریک بھی اسی ماضی پرستی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے جس کی تان بالآخر نرگسیت پر ہی ٹوٹتی ہے۔

حواشی:

۱۔ اقبال امروہوی، سید، جدید نفسیات، ص: ۱۰۸
۲۔ نظیر اکبر آبادی، کلیاتِ نظیر، ص: ۴۸۴
۳۔ علامہ اقبال، ڈاکٹر، کلیاتِ اقبال، ص: ۵۵
۴۔ جوش ملیح آبادی، یادوں کی برات، ص: ۲۷
۵۔ ظفر محمود، جوش ملیح آبادی، شخصیت اور فن، ص: ۱۳
۶۔ حزب اللہ، تحلیل نفسی، ص: ۲۸۷
۷۔ سلام سندیلوی، ڈاکٹر، اُردو شاعری میں نرگسیت، ص: ۷۹
۸۔ عبدالرحمٰن طارق، خواجہ، جوش اور خامہ بہ گوش، ص: ۱۲۶
۹۔ ''خطرناک اقدام'' از جوش ملیح آبادی، مشمولہ ''افکار۔ جوش نمبر''، ص: ۱۳
۱۰۔ سلام سندیلوی، ڈاکٹر، اُردو شاعری میں نرگسیت، ص: ۸۱
۱۱۔ جوش ملیح آبادی، نقش و نگار، ص: ۷۶
۱۲۔ اقبال امروہوی، سید، جدید نفسیات، ص: ۱۰۷
۱۳۔ جوش ملیح آبادی، نقش و نگار، ص: ۱۴۴۔۱۴۵
۱۴۔ ایضاً، ص: ۱۴۴
۱۵۔ جوش ملیح آبادی، روحِ ادب (مقدمہ)، ص: ۹۔۱۰
۱۶۔ شہزاد احمد، فرائڈ کی نفسیات۔ دو دور، ص: ۱۸۴
۱۷۔ جوش ملیح آبادی، عرش و فرش، ص: ۱۹۷
۱۸۔ حزب اللہ، تحلیل نفسی، ص: ۳۰۰
۱۹۔ جوش ملیح آبادی، سنبل و سلاسل، ص: ۱۳۹